

لاوا

عائشہ خان

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود تمام ناولز بالکل مفت ہیں۔ اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ وہ لوگ جو وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔ اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے، سپر موڈز: روشنی، بسمہ، حبیب یا مینجمنٹ و قار سے رابطہ کریں، شکریہ

لاوا

”یا اللہ خیر...“ بادلوں کی زوردار گڑگڑاہٹ پر بے اختیار انیسہ کے منہ سے نکلا تھا۔ اپنے بد رنگ دوپٹے کے ساتھ ہاتھوں کو پونچھتی وہ تیزی سے بیگم صاحبہ کی جانب بڑھی تھی۔

”بی بی جی... میں جاؤں۔“ اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔

بیگم درانی نے اپنی سلکی ساڑھی کا بار بار سرکٹا پلو بڑی نزاکت سے کندھے پر ڈالتے ہوئے تھیکھی چتون اور نخوت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور انیسہ لب چباتی ہوئی ہاتھ مسلنے لگی تھی۔ لیکن جو نہی بیگم درانی کچھ کہے بغیر اندر کی طرف جانے لگیں اس کے بدن میں جیسے

بجلی سی بھر گئی۔ تھکے ہوئے جسم میں ہمت و حوصلہ عود کر آیا، تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے بے تابی سے انہیں پکارا۔

”بیگم صاحبہ جی میرا چھوٹا بیٹا اکیلا گھر میں ہے باقی بچے پھپی کے گھر گئے ہیں بارش کی وجہ سے آ نہیں سکے۔ مجھے اب چھٹی دے دیں جی... بادل گرج رہے ہیں... میرا بچہ ڈر رہا ہوگا۔“ اس نے بے حد لجاجت سے کہا تھا۔

اس سے پہلے کہ بیگم صاحبہ کچھ کہتیں اندر سے ان کی چھوٹی بیٹی چیختی ہوئی برآمد ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں قوس قزح کے رنگوں سے سجا اپنا دوپٹہ تھا اور قہر آلود نگاہیں انیسہ پر...

”ممی... اس سے پوچھیں یہ کیا کیا ہے اس منحوس نے۔“ دوپٹہ کھول کر ان کے سامنے لہراتے ہوئے وہ حلق کے بل چلائی تھی اور انیسہ کا دل جیسے دھک سے رہ گیا۔ دوپٹے کے عین وسط میں سالن کے بڑے بڑے دھبے اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

”چھ... چھوٹی بی بی... مم... میں نے تو دوپٹہ بالکل ٹھیک استری کیا تھا جی... پتا نہیں یہ سب...“ ہکلاتے ہوئے اس نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی، مگر اس کی سن کون رہا تھا۔

بیٹی اس وقت مارکیٹ سے نیا سوٹ لانے کے لیے شور مچا رہی تھی اور ماں انیسہ کو بے نقط سنا رہی تھی۔

انیسہ نے بے بسی و بے چارگی کے گہرے احساس کے ساتھ آسمان کی جانب دیکھا۔ گہرے سیاہ بادل گھر گھر کر آرہے تھے اور بارش بس کسی پل برسنے کو تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے لیکن غربت نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں... فاقوں کے خوف نے زبان کو قفل لگا دیا تھا۔ جانتی تھی کہ ذرا سی چوں چراں کی تو وہ فوراً فارغ کر کے گھر بھیج دی جائے گی۔

ایسی ہی بد دماغ تھیں وہ... اس لیے تو کوئی نوکر چند ہفتوں یا زیادہ سے زیادہ چند ماہ ان کے پاس ٹکتا نہیں تھا۔ یہ تو انیسہ کی مجبوریاں تھیں جو ہر روز بے عزتی کروا کر بھی ذلت سہہ کر بھی دوسرے دن پھر آ موجود ہوتی تھی۔

شوہر کی ناگہانی موت کے بعد چار بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے اسے دن رات کو لہو کے بیل کی طرح جتے رہنا پڑتا تھا۔ مشقت کے ساتھ ساتھ ذرا سی بات پر

ڈانٹ ڈپٹ اور گالی گلوچ کی ذلت بھی برداشت کرنا پڑتی تھی، لیکن تنخواہ وقت پر اور ٹھیک ملتی تھی پھر گھر گھر چکر لگانے اور مختلف لوگوں کی چاکری کرنے کے بجائے ایک ہی جگہ ٹکے رہنا سے زیادہ مناسب لگتا تھا۔

اس وقت اس کی ہمت جواب دینے لگی تھی جب بہت خوب صورت اور بے حد نفیس نظر آنے والی بیگم درانی انتہائی بدزبانی پر اتر آتی تھیں ایسے میں ان کی ساری خوب صورتی اور تمام تر نفاست دھری رہ جاتی تھی۔ اپنے کانوں سے سننے اور دیکھنے والا بھی حیران سا دیکھتا رہ جاتا تھا۔ اسے فوراً یقین نہیں آتا تھا کہ یہ آواز بیگم درانی ہی کے خوب صورت لبوں سے نکل رہی ہے۔

”ممی... دفع کریں اس روتی شکل کو... آپ مجھے بتائیں میں اب کیا پہنوں...“ انیسہ نے بے تاثر آنکھوں سے بے حد دلکش سراپا کی مالک چھوٹی بی بی کو دیکھا تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ بیٹی ماں کا پر تو ہوتی ہے... وہ بھی تو آخر بیگم درانی کی بیٹی تھی۔

”وہ... اسکا ئی بلیو...“

”اوہ ممی... ہر گز نہیں... پنکی اور ٹینا کے ڈریس دیکھے ہیں آپ نے... بس ممی مجھے یہی ڈریس پہننا ہے۔“ اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

”یہی ڈریس تو ٹھیک ہے“ اسے دو فٹافٹ دھو کر پریس کر دے گی...“ انہوں نے حل پیش کیا تھا۔

”افوہ ممی... آپ بھی کمال کرتی ہیں، آپ گل خان کو بلائیں میں ایسا ہی نیا سوٹ لائوں گی بوتیک سے۔“

انیسہ نے چھوٹی بی بی کے پاگل پن پر حیران ہوتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔ بیگم درانی کو بھی بیٹی کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ چکنائی کے دودھوں کی وجہ سے وہ ایسے ہی سوٹ پر دس ہزار خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ انہوں نے انیسہ کو دوپٹہ دھونے کا آرڈر دیا تھا اور بیٹی کو ساتھ لگاتے ہوئے سمجھانے لگی تھیں۔

انیسہ صبح سے چاق و چوبند اپنے کاموں میں جتی ہوئی تھی۔ جلد از جلد فارغ ہونے کی خواہش نے اس کے کمزور جسم میں جیسے بجلی سی بھر دی تھی۔ خالی پیٹ ہونے کے باوجود کچن سے

اٹھتی انواع و اقسام کے کھانوں کی خوشبوئیں بھی اس کا دھیان اپنی طرف لگانے میں ناکام رہی تھیں۔ اس پر تو بس ایک ہی دھن سوار تھی۔

جلدی سے فارغ ہو کر اپنے بچے کے پاس پہنچنے کی دھن...!

مگر اپنا سارا کام ختم کرنے کے بعد، اپنے چھ سالہ بچے کے گھر پر اکیلا ہونے کی دہائی دینے کے بعد بھی جب اسے چھٹی ملنے کے کوئی آثار دکھائی نہ دیئے تو وہ بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ چونکہ بیگم صاحبہ نے بچوں کو ساتھ لانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا اس لیے وہ بیٹے کو گھر چھوڑ تو آئی تھی مگر جیسے جیسے ٹائم گزر رہا تھا عجیب عجیب واہمے اور خدشے اس کا دل دہلائے دے رہے تھے۔

ایک کے بعد نکلتے دوسرے کام پر اس کا دل چاہتا تھا سب کاموں پر لعنت بھیج کر ایسی نوکری پر لات مارے اور گھر چلی جائے... مگر اس کی طرح اس کے دل کی بھی کیا اوقات تھی۔

پریشانی، بے بسی اور بے چارگی کے احساس سے مغلوب اس کا دل بھر بھر کر آ رہا تھا۔ شدید تنہا نے جسم بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ خالی پیٹ سے عجیب گڑ گڑ کی

آوازیں آرہی تھیں۔ بمشکل اپنے بے جان ہوتے وجود کو کھینچتے ہوئے وہ دوپٹہ ہاتھ میں تھامے واش روم کی جانب بڑھی تھی۔ پھر یکدم کوئی خیال آنے پر واپس مڑی تھی۔

میلے سے بدرنگ کپڑے میں بندھا ہوا سالن اور نان اٹھائے تھے اور کسی متاع حیات کی طرح سنبھالے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واش روم کی جانب چلی گئی تھی۔

کھانا ایک طرف رکھتے ہوئے بیٹے کی بھوک، خوف اور اکیلے پن کے احساس نے اس کا دل جیسے مٹھی میں لے لیا اور آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ گرنے لگے تھے۔

گل خان جو اسے دو تین مرتبہ چھٹی کے لیے بیگم صاحبہ کی منت سماجت کرتے دیکھ چکا تھا۔ اس کے پیچھے آیا تھا اور اب بے بسی اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”بہن رومت اگر تم کہے تو ام تمہارے بچے کو ادھر لے آئے...“ انیسہ نے چونک کر سراٹھایا اور نفی میں ہلاتے ہوئے پھر جھکا لیا تھا۔

وہ بے چارہ تو ابھی چند دن پہلے یہاں ڈرائیور لگا تھا وہ بھی مہینوں نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرنے کے بعد... وہ بھلا کیوں اسے مشکل میں ڈالتی۔

”بہن لگتا ہے صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا... پہلے کھانا کھاؤ پھر کام کرنا...“ اس نے ہمدردی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میرا بچہ گھر میں بھوکا ہے خان بھائی... میں کیسے کھانا کھاؤں...“ اس کے سسکتے لہجے میں رچی بے چارگی نے گل خان کو تڑپا کر رکھ دیا تھا مگر وہ بھی انیسہ کی طرح مجبور تھا۔ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا اور بے بسی و بے چارگی کا یہ احساس اسے غربت سے نفرت پر اکسارہا تھا۔

تبھی بادل زور سے گرجے تھے اور انیسہ کا دل دہل اٹھا تھا۔ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے سہمی سہمی نگاہوں سے آسمان کی جانب دیکھا تھا جو یوں برس رہا تھا جیسے دوبارہ کبھی نہیں برے گا۔

اس کے اندر کروٹیں لیتی بے چینی و بے کلی نے خوف کا روپ دھار لیا تھا۔ چھوٹی بی بی کے ست رنگے دوپٹے کو کس کر نچوڑنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے لگا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں جان نہیں تھی۔

”اوہ مائے گاڈ... کس قدر سست اور کام چور ہو تم... ابھی تک تم سے ایک دوپٹہ نہیں...“

انیسہ کے کانپتے لبوں اور بہتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے رحم آگیا تھا یا کوئی اور بات تھی کہ وہ مزید لعنت ملامت کا خیال ترک کرتی سر جھٹک کر اندر چلی گئی تھی۔

اسپینر خراب تھا وہ پریشان ہو گئی۔

”اب کیا کروں...“ اس نے پریشانی سے سوچا تھا۔

بادل پھر گرجے تھے... دوپٹہ اس کے ہاتھوں سے نیچے جا گرا تھا۔ پورا وجود بری طرح کانپنے لگا تھا۔ دل جیسے کسی گہرے پاتال میں ڈوبا جا رہا تھا۔ دوپٹہ یوں نہی زمین پر چھوڑ کر وہ بمشکل اپنے لرزتے کانپتے وجود کو سنبھالتے، کھانے کی پوٹلی سینے سے لگائے باہر کی جانب بڑھی تھی۔

ڈرائنگ روم سے آتی تیز میوزک... ہنسی اور قہقہوں کی آواز نے اس کے ڈوبتے دل پر یوں ضرب لگائی تھی کہ ایک لمحے کو اسے دیوار کا سہارا لینا پڑا تھا۔



وسیع و عریض پورچ سے لے کر گیٹ تک قطار میں کھڑی گاڑیوں کے درمیان سے گزرتی وہ گیٹ پر پہنچی تھی جب پیچھے سے گل خان نے اسے پکارا تھا۔

”ایک منٹ رکو بہن... ام تم کو چھوڑ دے گا...“ انیسہ نے خوفزدہ نگاہوں سے اندر کی جانب دیکھا تھا۔

”ام چھوٹی بی بی کا ایک فرینڈ کو لینے اسی طرف جا رہا ہے... تم ایک منٹ رکو گاڑی لاتا ہے۔“ گل خان نے کہا تھا اور جلد از جلد اپنے بچے کے پاس پہنچنے کی آرزو نے انیسہ کو ہر ڈر خوف بھلا دیا تھا۔

”عجیب ہوتا ہے یہ امیر لوگ بھی... آدھا گھوما ہوا۔ اب بھلا اس برستی بارش میں یہ کہاں پکنک منائے گا۔“ انیسہ کے منع کرنے کے باوجود گاڑی اس کی گلی کی جانب موڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مگر انیسہ اس کی بات کہاں سن رہی تھی، اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں تو اپنے گھر کے دروازے پر جمع لوگوں پر تھیں۔

اس پر نگاہ پڑتے ہی لوگ لپک کر اس جانب بڑھے تھے۔ وہ بمشکل اپنے لڑکھڑاتے وجود کو سنبھالے گاڑی سے اتری تھی۔

کھانے کی پوٹلی جو اس نے یہ دیکھنے کے لیے کہ سالن خراب تو نہیں ہو گیا ابھی کھولی تھی، اوپر سے مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی۔

”انیسہ... انیسہ... تیرا پو...“ ایک عورت روتے ہوئے اس کے گلے آگئی تھی۔  
 ”ک... کک... کک... کیا ہوا... مم... میرے پو کو...“ اپنی تمام تر توانائی صرف کرتے ہوئے بمشکل لڑکھڑاتی آواز میں یہ لفظ انیسہ کے منہ سے نکلے تھے۔

”توبہ... توبہ... کیسی بے حس اور ظالم ماں ہے... اکیلے بچے کو اندر بند کر گئی۔“

”چچ... چچ... بے چارہ... مکئی کے دانے بھوننے کی کوشش میں خود بھی...“

”نن... نہیں...“ ایک دلدوز چیخ انیسہ کے لبوں سے نکلی تھی اور وہ چکرا کر زمین پر جا پڑی تھی۔

پلاسٹک کے پرانے برتن سے سالن ایک طرف جا گرا تھا اور روٹیاں دوسری طرف... خالی جھاڑن کا ایک کنارہ انیسہ کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ گل خان کی آنکھیں اس روح فرسا منظر کو دیکھتے ہوئے لہو رنگ ہو گئی تھیں۔ اس کے کانوں میں بیگم صاحبہ سے چھٹی مانگتی انیسہ کی مالتی

آواز گونج رہی تھی اور جلتی آنکھیں دور پانی پر تیرتے نان اور سالن والے خالی برتن پر  
تھیں۔

ختم شد